کرایہ بیوت مکہ کی شرعی حیثیت

مولانا محمد طاسین ☆

قرآن وحدیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین پر جتنے بھی بلاد ومقامات ہیں ان میں مکہ مکرمہ کو روحانی اور معنوی لحاظ سے جو فضیلت وعظمت اور جو شرافت وکرامت حاصل ہے وہ دوسرے کسی شہر اور مقام کو حاصل نہیں سرزمین مکہ مکرمہ کو جن خصوصیات کی وجہ سے امتیازی شان نصیب اور منفرد حیثیت حاصل ہے ان میں سے ایک یہ کہ یہاں از روئے قرآن کریم وہ پہلی عبادت گاہ ہے جو عبادت الٰہی کی خاطر انسانیت کے لئے بنائی اور مقرر کی گئی، دوسری یہ کہ یہاں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت شریفہ ظہور میں آئی اور اس کو مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا شرف حاصل ہوا، تیسری خصوصیت یہ کہ یہیں سے دین اسلام کی ہدایت کا سورج طلوع ہوا اور اس کی نورانی شعاعوں سے ایک دنیا جگمگائی اور چاردانگ عالم میں اس کی روشنی پھیلی، چوتھی خصوصیت یہ کہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن فریضہ حج کا تعلق جن مقدس مقامات سے ہے وہ یہیں واقع ہیں بنا بریں سرزمین مکہ سے متعلق بعض ایسے شرعی احکام ہیں جو دنیا کے دوسرے کسی شہر اور بلد سے متعلق نہیں منجملہ ان کے ایک شرعی حکم خاص طور پر مکہ مکرمہ کے مکانات کے کرائے سے متعلق ہے، بعض احادیث و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ کے بیوت ومکانات کو کرائے پر دینا جائز نہیں کیونکہ ان میں اس کی ممانعت کا صاف ذکر ہے جبکہ دنیا کے باقی کسی شہر کے مکانات کے کرائے کی ممانعت کا اس طرح ذکر نہیں۔ ذیل میں ہم ان احادیث اور آثار کو نقل کرتے ہیں جن سے بیوت ومکانات مکہ کے کرائے کی

☆سابق سربراہ مجلس علمی لائبریری، کراچی

ممانعت مفہوم اور معلوم ہوتی ہے:

۱۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فی مکة لاتباع رباعها ولا تکری بیوتها

(رواه الاثرم باسناده) ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے بارے میں کہ نہ اس کے رہائشی مکانات کو بیچا جائے اور نہ اس کے گھروں کو کرایہ پر دیا جائے۔

۲۔ عن الاعمش عن مجاهد قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ان مکة حرام حرمها الله لایحل بیع رباعها ولا اجور بیوتها۔

ترجمہ: حضرت اعمش نے حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ حرام ہے اللہ نے اس کو محترم ٹھہرایا ہے لہٰذا نہ اس کے مکانات کو بیچنا حلال ہے اور نہ ان کا کرایہ لینا حلال وجائز ہے۔

۳۔ عن علقمه بن نضلة قال كانت الدور والمساكن على عهد النبی صلی الله علیه وآله وسلم وابی بکر وعمر وعثمان رضی الله عنهم ماتکری ولا تباع ولا تدعی الا السوائب من احتاج سکن ومن استغنی اسکن۔

ترجمہ: حضرت علقمہ بن نضلہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں مکہ مکرمہ کے گھر اور رہائشی مکان نہ کرائے پر دیئے جاتے تھے اور نہ بیچے جاتے تھے اور نہیں ذکر کئے جاتے تھے مگر سوائب کے نام سے یعنی لاوارث قسم کے جس کو سکونت کی ضرورت ہوتی ان میں سکونت اختیار کرتا اور جس کو ضرورت نہ ہوتی وہ دوسرے کو سکونت کے لئے دے دیتا۔

۴۔ عن مجاهد عن عبدالله بن عمرو بن العاص ان النبی صلی الله علیه وآله وسلم قال لا یحل بیع بیوت مکة ولا اجارتها به۔

ترجمہ: حضرت مجاہد نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیوت مکہ کی نہ بیع حلال ہے اور نہ ان کا جارہ حلال وجائز ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں اس کے الفاظ، لایحل بیع دور مکة ولا کراء ها (ج۵ ص۱۴۸)

۵۔ عن ابن ابی نجیح عن عبدالله بن عمرو بن العاص قال من اکل کراء بیوت مکة

فانما یا کل فی بطنہ نارا۔ اخبار مکۃ (ص ۱۳۴ ج ۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کہا جس نے مکانات مکہ کا کرایہ کھایا سوائیاس کے نہیں کہ اس نے اپنے پیٹ میں آگ بھری۔

بعض روایات میں متن حدیث کے مذکورہ الفاظ کے بعد یہ الفاظ ہیں: لان الناس فی الانتفاع بھا سواء۔ کیونکہ لوگ ان سے نفع اٹھانے کا مساوی حق رکھتے ہیں اور اس میں برابر ہیں۔

سنن الدارقطنی میں اس حدیث کی سند میں "رفع الحدیث" کے جو الفاظ ہیں وہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ حدیث مرفوع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے، علاوہ ازیں اس حدیث میں جو وعید ہے وہ بھی چونکہ ایک صاحب وحی پیغمبر ہی فرما سکتا ہے لہذا اس سے بھی اس کا قول رسول ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ کوئی صحابی اپنے عقل وقیاس سے ایسی بات نہیں فرما سکتا۔ بعض روایات میں نار کے ساتھ جہنم کا لفظ بھی ہے، یعنی وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔

۶۔ عن مجاھد ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال یا اھل مکۃ لاتتخذو الدور کم ابوابا لینزل البادی حیث شاء۔ مصنف عبدالرزاق (ص ۱۴۷ ج ۵)

ترجمہ: حضرت مجاہد نے روایت کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اہل مکہ سے فرمایا کہ اپنے گھروں کے دروازے نہ بناؤ تا کہ باہر سے آنے والا حاجی جہاں چاہے اتر سکے۔

۷۔ عن ابن جریج قال کان عطاء ینھی عن الکراء فی الحرم و اخبرنی ان عمر بن الخطاب کان ینھی ان یبوب دور مکۃ لان ینزل الحاج فی عرصاتھا فکان اول من بوب دارہ سھیل بن عمرو فارسل الیہ عمر بن الخطاب فی ذالک فقال انظرنی یا امیر المومنین انی کنت امرء تاجرا فاردت ان اتخذبابین یحسبان ظھری قال فذالک اذا۔ مصنف عبدالرزاق (ص ۱۴۶ ج ۵)

ترجمہ: حضرت ابن جریج نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضرت عطاء حرم کے مکانات کے کرائے سے منع کرتے تھے اور حضرت عطاء نے مجھے بتلایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مکہ والوں کو منع کیا کہ وہ اپنے گھروں کے آگے دروازے نہ لگائیں تا کہ حاجی گھروں کے صحنوں میں اتر سکیں، پس پہلا آدمی جس نے اپنے گھر کے آگے دروازہ لگایا حضرت سہیل بن عمرو تھا حضرت عمر کو پتہ چلا تو اس کو اکھاڑنے کیلئے آدمی بھیجا تو حضرت سہیل نے عرض کیا اے امیر المومنین! مجھے کچھ مہلت دیجئے میں

ایک تاجر آدمی ہوں میں نے اپنی سواری کے جانور کو صحن میں روک رکھنے کیلئے دو دروازے بنائے تا کہ وہ کہیں بھاگ نہ جائے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو پھر یہ عذر قبول ہے۔

ایک اور روایات یہ بھی ہے: قد استخلف معاویۃ رضی اللہ عنہ وما لدار مکۃ باب۔ مصنف عبدالرزاق (ص ۱۴۷ ج ۵) ترجمہ: حضرت معاویہؓ جب خلیفہ مقرر ہوئے اس وقت تک مکہ مکرمہ کے کسی گھر کا دروازہ نہ تھا۔

احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کے بعد اب آثار و اقوال تابعین اور تبع تابعین ملاحظہ فرمایئے جو حدیث وغیرہ کی مختلف کتابوں میں مذکور ہیں۔

عن ابی رواد قال بلغنی ان مجاھدا یقول الکراء بمکۃ نار، وقال سمعت عبدالکریم بن ابی المخارق یقول لا تباع تربلھا ولا یکری ظلھا یعنی مکہ۔ اخبار مکہ (ص ۱۳۲ ج ۲) ترجمہ: حضرت ابورواد نے روایت کرتے ہوئے کہا مجھے یہ خبر پہنچی کہ حضرت مجاہد فرماتے تھے کہ مکانات مکہ کا کرایہ آگ ہے اور میں نے حضرت عبدالکریم بن ابی المخارق سے سنا یہ فرماتے ہوئے کہ مکہ کی زمین بیچی جائے اور نہ اس کے سائے یعنی مکان کو کرایہ پر دیا جائے۔

عن العوام بن حوشب عن عطاء بن ابی رباح انہ کان یکرہ اجور بیوت مکۃ۔ شرح معانی الآثار (ص ۲۰۶ ج ۲) ترجمہ: حضرت عوام بن حوشب نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضرت عطاء بن ابی رباح بیوت مکہ کے کرائے کو مکروہ (حرام) گردانتے تھے۔

عن منصور عن مجاھد قال اھل مکۃ وغیر ھم فی المنازل سواء۔ مصنف ابن ابی شیبہ (ص ۹۷ ج ۳) ترجمہ: حضرت منصور نے حضرت مجاہد کے حوالے سے کہا کہ اہل مکہ اور غیر اہل مکہ وہاں کے مکانات میں برابر ہیں یعنی سب کو ان سے فائدہ اٹھانے کا مساوی حق ہے۔

عن اشعث عن الحسن قال اھلہ وغیرہ فیھا سواء۔ ابن ابی شیبہ (ص ۸۹ ج ۴) ترجمہ: حضرت اشعث نے حضرت حسن بصری کا یہ قول بیان کیا کہ گھروں سے فائدہ اٹھانے میں مکہ کے باشندے اور باہر سے آئے ہوئے حجاج وغیرہ سب برابر ہیں۔

عن عبداللہ بن مسلم عن عطاء انہ کرہ الکراء بمکۃ۔ کتاب الاموال (ص ۲۶) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسلم نے روایت کیا کہ حضرت عطاء مکہ کے بیوت کے کرائے کو برا اور ناجائز سمجھتے تھے۔

روی لیث عن القاسم قال من اکل کراء بیوت مکۃ فانما یا کل نارا۔ احکام

القرآن للجصاص (ص ۲۸۰ ج ۳) ترجمہ: حضرت لیث نے حضرت قاسم کا یہ قول روایت کیا کہ جس نے مکہ کے گھروں کا کرایہ کھایا سوائے اس کے نہیں کہ اس نے آگ کھائی۔

عن ابن جریج قال قرأت کتاب عمر بن عبدالعزیز الی الناس ینھی عن کراء بیوت مکۃ ۔ کتاب الاموال (ص ۲۶) ترجمہ: حضرت ابن جریج نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے حضرت عمر بن العزیز کا وہ فرمان خود پڑھا جو انہوں نے اپنے عہد خلافت میں جاری کیا اور اس میں مکہ کے بیوت کے کرائے سے منع فرمایا اور روکا۔

عن عبدالملک بن سلیمان قال کتب عمر بن عبد العزیز الی امیر مکۃ ان لایدع اھل مکۃ یاخذون علی بیوت مکہ اجرا فانہ لایحل لھم ۔ اخبار مکہ زرقی (ص ۱۳۲ ج ۲) ترجمہ: عبدالملک بن سلیمان نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بحیثیت خلیفہ کے امیر مکہ کو لکھا کہ وہ مکہ والوں کو اس کا موقع نہ دے کہ وہ بیوت مکہ کے استعمال پر کرایہ وصول کریں کیونکہ یہ ان کے لئے حلال نہیں۔

عن ابن جریج قال قرأت کتابا من عمر بن عبدالعزیز الی عبدالعزیز بن عبداللہ بن خالد وھو عاملہ علی مکۃ یامرہ ان لا یکری بمکۃ شیئی ۔ اخبار مکہ۔ ترجمہ: حضرت ابن جریج نے کہا میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا فرمان خود پڑھا جو انہوں نے عبدالعزیز بن عبداللہ بن خالد کو بھیجا جو اس وقت مکہ میں ان کا عامل گورنر تھا۔ اسے حکم دیا کہ مکہ میں کوئی مکان کرائے پر نہ دیا لیا جائے۔

ان آخری دو روایات میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے جس حکمنامے اور فرمان کا ذکر ہے وہ انہوں نے بحیثیت خلیفہ اور امیر المومنین کے جاری فرمایا اور چونکہ وہ حلال وحرام سے متعلق دینی نوعیت کا حکم اور فرمان ہے لہذا حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حد درجہ احتیاط کے پیش نظر ضروری ہے کہ وقت کے ممتاز اور اکابر علماء وفقہاء کے صلاح مشورے سے جاری کیا گیا ہو بنابریں اس کی حیثیت اجماعی فیصلے کی سی ہے جو شرعاً خاص اہمیت رکھتا اور واجب العمل ہوتا ہے۔

اور چونکہ فرمان مذکور کے اندر تصریح ہے کہ وہ صرف کراء بیوت مکہ سے متعلق ہے ان کی ملکیت، وراثت اور خرید وفروخت سے متعلق نہیں لہذا ان روایات سے اس کا کوئی خاص تعارض اور تصادم نہیں جن سے بیوت مکہ کی ملکیت، وراثت اور خرید وفروخت کا ثبوت مہیا ہوتا ہے بعد کے جن فقہاء نے ان روایات کی بناء پر بیوت مکہ کے کرائے کا جواز نکالنے کی کوشش کی ہے وہ علمی اور عقلی طور پر درست نہیں

ثابت کی جاسکتی کیونکہ کسی مکان کی ملکیت کے جواز سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے استعمال پر کرایہ لینا بھی جائز ہو اسی طرح کسی مکان وغیرہ کی بیع وشراء کے جواز سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو اجارے پر دینا بھی ضرور جائز ہو کیونکہ ان کے مابین کوئی تلازم نہیں اور پھر چونکہ مکہ مکرمہ کی جو مخصوص اور ممتاز شان ہے اس کی وجہ سے اس کے مکانات کی بعینہ وہ حیثیت نہیں جو دنیا کے دوسرے شہروں کے مکانات کی ہے دوسرے شہروں کے مکانات کے مالکان کو اپنے مکانات میں جن تصرفات کا شرعاً اختیار حاصل ہوتا ہے مکہ مکرمہ کے مکانات کے مالکوں کو ان میں سے بعض تصرفات کا اختیار حاصل ہوتا اور بعض تصرفات کا شرعاً اختیار نہیں ہوتا مثلاً دوسرے شہروں کے مکانات کے مالک مکان کے ساتھ اس زمین کے بھی مالک ہوتے ہیں جس پر مکان بنا ہوتا ہے بخلاف مکہ مکرمہ کے مکانات کے کہ ان کے مالک اوپر بنے ہوئے مکانات کے تو مالک ہوتے ہیں لیکن اس زمین کے مالک نہیں ہوتے جس پر مکان بنائے گئے ہوتے ہیں چنانچہ دوسرے شہروں کے مکانات کے مالک جس طرح بنے ہوئے مکان اور اس کے ملبے کی خرید وفروخت کر سکتے ہیں اسی طرح اس زمین کی بھی خرید وفروخت کر سکتے ہیں جبکہ مکہ مکرمہ کے مکانات کے مالک بنے ہوئے مکان کی تو خرید وفروخت کر سکتے ہیں لیکن اس زمین کی خرید وروخت نہیں کر سکتے جس پر مکان بنا ہوتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ حرم کی پوری زمین جس میں مکہ مکرمہ شامل ہے قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق دنیا کے تمام مسلمانوں کے استفادہ کیلئے مباح عام کی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے حق میں سب مسلمان برابر کے شریک ہیں فرمایا سواء العاکف فیہ والباد اس سے فائدہ اٹھانے کے حق میں مکہ مکرمہ میں رہنے والے اور باہر سے آنے والے سب مسلمان مساوی و برابر ہیں اور یہ اس لئے کہ اسلام کے بنیادی ارکان میں ایک رکن جس کا نام حج ہے اس کی ادائیگی کا تعلق جن مقامات مقدسہ اور مشاعر مبارکہ سے ہے وہ سب حرم کی سرزمین میں واقع ہیں لہذا اس رکن کی ادائیگی اور اس عبادت کی انجام دہی کے لئے ہر صاحب استطاعت مسلمان پر لازم ہوتا ہے کہ وہ وہاں جاکر اس اہم دینی فریضہ کو ادا کرے خواہ وہ کسی ملک اور شہر کا باشندہ ہو حج کے مناسک واعمال میں سے طواف کا تعلق بیت اللہ اور خانہ کعبہ سے ہے سعی کا تعلق صفاء مروہ سے ہے وقوف کا تعلق عرفہ ومزدلفہ سے اور قربانی وغیرہ کا تعلق منیٰ سے ہے اور یہ سب مقامات مقدسہ سرزمین حرم میں واقع ہیں کچھ شہر مکہ کے اندر اور کچھ مضافات ہیں، اور چونکہ ان اعمال کی ادائیگی کیلئے چند دن مقرر ہیں بنابریں حج کے ارادہ سے دور دراز ملکوں اور علاقوں سے آنے والے مسلمانوں کو مکہ مکرمہ میں چند دن ضرور ٹھہرنا اور قیام کرنا پڑتا ہے اور ان کو اس کیلئے مکان وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ مذکورہ خصوصیات کی وجہ سے سرزمین حرم کی مخصوص اور منفرد شان

اور ممتاز حیثیت ہے اور اس کے متعلق بعض ایسے شرعی احکام ہیں جو دنیا کی دوسری کسی سرزمین سے متعلق نہیں مثلاً ان میں سے ایک یہ کہ یہ سرزمین سب مسلمانوں کے انتفاع و استفادہ کے لئے عام ہے، اس سے ہر ایک رہائش کا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن اس کے کسی حصے اور کسی ٹکڑے کی بیع وشراء اور خرید و فروخت نہیں کرسکتا، بلکہ اس پہلو سے اس کو مسجد کی طرح قرار دیا گیا ہے۔ امام ابو عبید قاسم بن سلام کی کتاب الاموال میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی دو آثار ہیں جن میں پورے حرم کو مسجد سے تعبیر کیا گیا۔

عن مجاهد عن ابن عمر رضی الله عنهما قال الحرم كله مسجد. ص ۶۷

ترجمہ: حضرت مجاہد نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ان کا یہ قول روایت کیا کہ حرم کی پوری زمین مسجد ہے۔

عن سعيد بن جبير عن ابن عباس رضی الله عنهما قال الحرم كله مسجد

ص: ۶۷ ترجمہ: حضرت سعید بن جبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حرم کا کل مسجد ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ حرم سے مراد زمین کا صرف وہ حصہ نہیں جس میں مسجد الحرام واقع ہے بلکہ وہ ساری زمین ہے جس میں مکہ مکرمہ، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات واقع ہیں اور جس کی چاروں طرف حدود متعین ہیں، جدہ کی طرف سے مقام الحدیبیہ، طائف کی طرف سے بطن عرنہ، عراق کی طرف سے جادہ وادی النخلہ، مدینہ منورہ کی طرف سے مقام تنعیم اور یمن کی طرف سے مقام اضاۃ ہیں۔ حج و عمرہ کے لئے آنے والوں پر لازم اور واجب ہوتا ہے کہ ان مقامات سے گزرتے وقت احرام کی حالت میں ہوں، اس پورے خطہ زمین کو مسجد کہنے کا مطلب یہ کہ جس طرح مسجد سب مسلمانوں کی عبادت کیلئے وقف ہوتی اور اسکے کسی حصے کا کوئی شخص مالک نہیں ہوتا اور ہر حصے میں ہر شخص بغیر کسی روک ٹوک کے خالی جگہ میں عبادت کرسکتا اور نماز پڑھ سکتا ہے، اسی طرح سرزمین حرم میں ہر مسلمان خالی جگہ میں بغیر کسی کی اجازت کے قیام کرسکتا اور رہائش کا فائدہ اٹھا سکتا ہے اور پھر جس طرح نظم وضبط قائم رکھنے کی خاطر مسجد کے متعلق اسلام کی یہ ہدایت ہے کہ جو شخص دوسروں سے سبقت کرکے جس جگہ پہلے بیٹھ جائے اس کو اس جگہ سے ہٹایا نہ جائے یعنی شرعاً کوئی اس کا مجاز نہیں کہ وہ زبردستی اس کو اس کی جگہ سے ہٹنے پر مجبور کرے، جب وہ خود عبادت سے فارغ ہوکر اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو پھر دوسرا اس جگہ میں عبادت کرسکتا ہے اور یہ کہ کسی کیلئے یہ جائز نہیں ہوتا کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد جگہ مسجد کے اندر روک رکھے اور کسی کو اس میں عبادت نہ کرنے دے یا دوسرے کو دے کر کوئی معاوضہ لے اور مالی فائدہ اٹھائے، اسی طرح نظم وضبط قائم رکھنے

کی خاطر سرزمین حرم کے متعلق بھی اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ جس جگہ جو مسلمان سب سے پہلے ٹھہر جائے دیواریں کھڑی کرکے باقاعدہ مکان بنالے یا خیمہ لگالے اس کو اس جگہ سے رہائش کا فائدہ اٹھانے کا پورا حق ہے دوسروں کیلئے جائز نہیں کہ وہ اس کو اس حق سے محروم کرے اور زبردستی اس سے چھین لے اور یہ کہ کوئی شخص اپنی رہائشی ضرورت سے زائد جگہ پر قبضہ نہ کرے اور نہ قبضہ کی ہوئی زائد زمین کسی دوسرے پر فروخت کرے اور نہ کرائے کی شکل میں اس سے کوئی مالی فائدہ اٹھائے کیونکہ اس کا حکم مسجد کی زمین کا سا ہے، اگر کسی کے پاس اپنی رہائشی ضرورت سے زائد کوئی مکان ہو تو وہ اس کو فروخت بھی کرسکتا ہے کسی کو بطور عطیہ اور ہدیہ بھی دے سکتا ہے۔ مرنے کے بعد اس کے ورثاء کو بھی منتقل ہوسکتا ہے لیکن وہ اس کو کرائے پر نہیں دے سکتا کیونکہ کرائے کا تعلق مکان اور اس کی زمین دونوں سے ہوتا ہے اور چونکہ حرم کے مکانات کی زمین ان کے مالکان کی ملکیت نہیں ہوتی اور صرف وہی اس سے فائدہ اٹھانے کا خصوصی حق نہیں رکھتے بلکہ دوسرے سب مسلمان بھی اس میں شریک ہوتے ہیں مالک مکان اور کرایہ دار دونوں کو مکان کی زمین سے استفادہ کا برابر کا حق حاصل ہوتا ہے لہذا اس کے عوض مالک مکان کرایہ دار سے کوئی مال وغیرہ نہیں لے سکتا۔

رہا اس بات کا ثبوت کہ حرم کی سرزمین میں جو شخص دوسروں سے پہل کرکے جس جگہ اترا اور ٹھہر جائے اس جگہ سے اس کو بے دخل اور دستبردار نہیں کیا جاسکتا، ایک تو ان مذکورہ روایات سے فراہم ہوتا ہے جن میں سرزمین حرم کو مسجد سے تشبیہ دی گئی ہے اور دوسرے اس حدیث سے فراہم ہوتا ہے جو متعدد کتابوں میں اسطرح بیان ہوئی ہے:

عن عائشة رضی الله عنها قالت قلت یا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم الا تبنی لک بیتا او بناء یظلک عن الشمس تعنی بمكة فقال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لا انما هی مناخ من سبق. کتاب الاموال (ص ۶۵) ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے حج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مکہ میں اپنے لئے کوئی ایسا مکان وغیرہ کیوں نہیں بنالیتے جس کے سائے میں آپ ﷺ دھوپ کی تمازت سے بچ سکیں، اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا ایسا کرنا درست نہیں یا یہ کہ میں ایسا کرنا جائز نہیں سمجھتا اور سوائے اس کے نہیں کہ یہ ٹھہرنے کی جگہ ہے ہر اس شخص کیلئے جو دوسروں سے پہلے وہاں ٹھہر جائے یعنی میں حرم کی کسی جگہ کو اپنے ٹھہرنے کیلئے مخصوص کرنا نہیں چاہتا تاکہ دوسروں کی حق تلفی لازم نہ آئے۔

اس کا ثبوت کہ حرم کی زمین میں جو سبقت کرکے سب سے پہلے کسی جگہ اپنا مکان بنالے اپنی رہائش کیلئے، اس مکان کا وہ مالک ہوتا ہے اس سے اس کو بے دخل نہیں کیا جاسکتا وہ اس مکان کے اوپر کے حصے کی بیع وشراء بھی کرسکتا ہے اور وراثت کے طور پر اس کے ورثاء کی طرف منتقل بھی ہوسکتا ہے ایک تو ان روایات سے بھی فراہم ہوتا ہے جن میں حرم کے بعض مکانات کی خرید وفروخت کا ذکر ہے جیسے وہ روایت جس میں یہ بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صفوان بن امیہ کا مکان جیل خانے کیلئے خریدا۔ ابتاع من صفوان ابن امیة دار السجن لعمر بن الخطاب ۔ اخبار مکہ (ص ۱۳۳ ج ۲) ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نمائندہ نے حضرت صفوان بن امیہ سے دار السجن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے خریدا۔ بعض روایت میں ہے کہ چار ہزار دینار کے عوض خریدا، یہ روایت مصنف عبدالرزاق میں مذکور ہے، اور دوسرے اس روایت سے فراہم ہوتا ہے جس میں یہ بیان ہے کہ رسول ﷺ جب حجۃ الوداع کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لارہے تھے تو راستہ میں حضرت اسامہؓ نے عرض کیا کہ حضور آپ ﷺ مکہ میں اپنے گھر میں کہاں اتریں گے اور قیام فرمائیں گے تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ عقیل نے ہمارے لئے کہاں کوئی گھر چھوڑا ہے۔ چچا ابوطالب کی موت کے بعد اس کے ترکہ کے دو بیٹے عقیل اور طالب وارث ہوئے حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ اس وجہ سے وارث نہ ہوئے کہ یہ دونوں مسلمان تھے جبکہ عقیل اور طالب دونوں کافر تھے۔ اس روایت کے عربی الفاظ اس طرح ہیں: عن اسامة بن زید انه قال یا رسول الله این تنزل فی دارك بمكة فقال هل ترك عقیل من رباع او دور وكان عقیل ورث ابا طالب هو و طالب ولم یرثه جعفر ولا علی رضی الله عنهما شیئا لانهما كانا مسلمین وكان عقیل و طالب كافرین ۔ صحیح بخاری مع فتح الباری (ص ۳۵۲ ج ۳) ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور استفسار عرض کیا کہ آپ ﷺ مکہ میں اپنے کس گھر میں اتریں اور ٹھہریں گے تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا ہمارے لئے عقیل نے گھر چھوڑے ہی کہاں ہیں، عقیل اور طالب ابوطالب کے وارث ہوئے اور جعفر اور علی رضی اللہ عنہما وارث نہیں ہوئے کیونکہ وہ دونوں مسلمان ہوگئے جبکہ عقیل اور طالب کافر رہے۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ کے مکانات وراثت کے طریقہ سے ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوسکتے ہیں، اور یہ بات کہ مکان کے ساتھ صحن وغیرہ کی شکل میں جو خالی جگہ ہوتی ہے دوسرے شہروں کے اندر وہ مکان میں شامل ہوتی اور اس کا حکم مکان کا سا ہوتا ہے یعنی مالک مکان اس کو

فروخت بھی کرسکتا ہے اور کرائے پر بھی دے سکتا ہے لیکن مکہ مکرمہ کے مالک اس خالی جگہ کا مالک نہیں ہوسکتا۔ اس کا ثبوت حضرت عمر فاروقؓ کے اس فرمان سے بھی مہیا ہوتا ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں: لیس لاحد حق الا ما احاطت علیه جدرانه ۔ اخبار مکہ (ص ۱۳۲، ج ۲) ترجمہ: سرزمین حرم سے کسی کے لئے حق نہیں سوائے اس زمین کے جس کو اس کے رہائشی گھر کی دیواروں نے گھیر رکھا ہو۔ بہر حال جہاں تک مکانات مکہ مکرمہ کے کرائے پر لینے دینے کا تعلق ہے اس کی ممانعت سے متعلق احادیث اور آثار موجود ہیں جو پہلے متعدد کتابوں سے پیش کئے گئے ہیں لیکن اس کے جواز کے متعلق کوئی حدیث اور روایت نہیں ملتی مطلب یہ کہ جو علماء وفقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں نہ ان کے پاس کوئی نقلی دلیل ہے اور نہ عقلی دلیل۔ یہ حضرات مکانات مکہ کی بیع وشراء اور وراثت سے متعلق جن روایات سے اس کے جواز پر استدلال کرتے ہیں وہ نہایت کمزور اور بودا استدلال ہے کیونکہ شرعاً ضروری نہیں کہ جس چیز کی بیع وشراء شرعاً جائز ہو ہر حال اور ہر صورت میں منفعت کی بھی بیع وشراء جائز ہو یعنی اس کو اجارے پر دینا بھی جائز ہو اگر ایسا ہوتا تو اکابر صحابہ وتابعین مکہ مکرمہ کے مکانات کے کرائے کو ممنوع وناجائز نہ کہتے اور حدیث نبوی میں اس کو جہنم کی آگ سے تعبیر نہ فرمایا جاتا، اور پھر جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ سرزمین حرم اور مکہ مکرمہ کی مخصوص حالت اور منفرد شان کی وجہ سے اس کے متعلق بعض ایسے شرعی احکام ہیں جو دوسرے کسی علاقہ اور کسی شہر سے متعلق نہیں ان میں سے ایک شرعی حکم اس کے مکانات کے کرائے کا ممنوع ہونا ہے۔

واضح رہے کہ مکانات مکہ مکرمہ کی کرایہ داری کے موضوع پر مختلف فقہاء کرام نے اپنے اپنے علم وفہم کے مطابق کافی کچھ لکھا ہے جو متفرق کتابوں میں موجود ہے، میں نے اپنا یہ مضمون لکھنے سے پہلے اس موضوع سے متعلق بہت کچھ پڑھنے کی کوشش کی اور اس نتیجہ تک پہنچا کہ اس موضوع سے متعلق سب سے بہتر، جامع اور مدلل علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن القیم نے لکھا ہے لہذا میں یہاں ان کی تحریرات کو نقل اور پیش کرنا ضروری اور مفید سمجھتا ہوں اس وجہ سے بھی کہ سعودی عربیہ کے علماء ان دونوں شیخ الاسلام حضرات سے گہری عقیدت رکھتے اور انکی تحقیقات اور تحریرات کو انتہائی اہمیت دیتے اور ان پر اعتماد کرتے ہیں، اس مسئلہ پر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی جو تحقیق ہے اس کا نتیجہ انہوں نے اپنی اس تحریر میں پیش فرمایا ہے:

بیوت مكة احسن ما فیها لا تجوز اجارتها بل یجب بذلها للمحتاج بغیر عوض، فهذا الذی یدل علیه الكتاب و السنة و الاثار و القیاس ۔ مجموع فتاوی ابن تیمیہ (ص ۲۱۱، ج ۲۹) ترجمہ: مکانات مکہ مکرمہ کے متعلق نہایت اچھی اور احسن بات یہ ہے کہ ان کا اجارہ

جائز نہیں بلکہ واجب وضروری ہے کہ جو ان میں رہائش کے محتاج وضرورت مند ہوں ان کو ان میں بلا معاوضہ اور بغیر کرائے کے مفت رہنے کا موقع دیا جائے پس یہی وہ حقیقت ہے جس پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور آثار صحابہؓ وتابعین اور قیاس دلالت کرتا ہے جس کا ثبوت قرآن وحدیث، آثار صحابہ وتابعین اور قیاس سے فراہم ہوتا ہے۔

عبارت مذکور سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک بیوت مکہ کا کرایہ قطعی طور پر ناجائز ہے۔ اس عبارت کے بعد دوسرے صفحہ پر علامہ نے وہ وجہ اور علت بھی کھول کر بیان فرمائی ہے جس کی بناء پر بیوت مکہ مکرمہ کا اجارہ اور کرایہ ممنوع ٹھہرایا گیا ہے۔ حضرت علامہ کے نزدیک اسکے ممنوع ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ مکہ مکرمہ بزور شمشیر عنوۃً فتح ہوا اور اس کو مال غنیمت کی طرح فاتحین میں تقسیم کرنے کی بجائے استثنائی طور پر مکہ والوں ہی کی ملکیت میں رہنے دیا گیا البتہ ان پر یہ پابندی عائد کردی گئی کہ وہ نہ وہاں کے مکانات کی بیع وشراء کریں اور نہ ان کو اجارے پر دیں لیں۔ جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے، اسی طرح ان کے نزدیک اس کے ممنوع ہونے کی وجہ یہ بھی نہیں کہ مکہ مکرمہ بغیر جنگ کے صلح سے فتح ہوا لہذا اس کی حیثیت مال فے کی تھی جو اصولاً مفتوحین کی ملکیت میں رہتا البتہ ان پر بیت المال کیلئے خراج وجزیہ عائد کیا جاتا ہے مکہ مکرمہ کی مخصوص حیثیت کے پیش نظر مکہ والوں کو اس سے مستثنیٰ ٹھہرایا گیا لیکن ان پر پابندی لگائی گئی کہ وہ مکانات میں ٹھہرا کر کرایہ وصول نہ کریں جیسا کہ دوسرے بعض علماء نے لکھا ہے، بلکہ علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک اس کی جو اصل وجہ ہے وہ ذیل کی عبارت میں بیان فرمائی گئی ہے:

بل الصواب ان المانع من اجارتها كونها ارض المشاعر التي يشترك في استحقاق الانتفاع بها جميع المسلمين كما قال الله تعالى سواء العاكف فيه والباد. فالساكنون بها احق بما احتاجوا اليه لانهم سبقوا الى المباح كمن سبق الى مباح من مسجد الشرط لكن العرصة مشتركة في الاصل و صار هذا بمنزلة من بنى بيتا من رباط او مدرسة او نحو ذلك له اختصاص بسكنه و ليس له المعاوضة عليه۔ مجموع فتاوی ابن تیمیہ (ص ۳۱۳ ج ۲۹) ترجمہ: بلکہ صحیح وصواب بات یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے مکانات کو اجارے اور کرائے پر دینے سے جو اصل مانع ہے وہ اس کے اندر مشاعر یا اس کا مشاعر کی زمین ہونا ہے جن سے فائدہ اٹھانے کے استحقاق میں سب مسلمان برابر کے شریک ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سواء العاکف فیہ و الباد۔ اس سے فائدہ اٹھانے کے حق میں وہاں کے رہنے والے اور باہر سے حج وعمرہ کے لیے آنے والے سب برابر ہیں پس جو لوگ وہاں جس جگہ مکان وغیرہ میں رہتے ہیں اس سے

فائدہ اٹھانے کے حق میں ان کو دوسروں پر ترجیح حاصل ہے کیونکہ انہوں نے مباح چیز کے حصول میں دوسروں سے پہل وسبقت کی ہے ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو دوسروں سے سبقت کرکے مسجد یا راستے یا بازار میں کسی جگہ ٹھہر گیا یا بیٹھ گیا اس کو سبقت کی وجہ سے دوسروں پر ترجیح حاصل ہو جاتی ہے لیکن یہ ترجیح اس سبقت کرنے والے کو صرف اتنی جگہ کے متعلق حاصل ہوتی ہے جتنی جگہ کا وہ حاجت مند ہوتا ہے اگر اس کے پاس فاضل جگہ ہو تو اس پر لازم قرار پاتا ہے کہ فاضل جگہ دوسرے حاجتمند کو بلا معاوضہ دیدے کیونکہ ان کے لئے فاضل مکان وغیرہ بنانے کی جو اجازت ہے وہ اسی شرط سے مشروط ہے یعنی اس کو اجارہ پر نہیں دیں گے البتہ کھلی جگہ صحن وغیرہ کی حیثیت سب کیلئے مشترک چیز کی ہے سرزمین حرم میں مکان بنانا اس مکان کی طرح ہے جو رباط یا مدرسے کے کسی حصہ کیلئے بنایا گیا ہو ایسے مکان والا شخص خصوصیت کے ساتھ اس میں سکونت کا فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن اس کے لئے بطور کرایہ اس پر معاوضہ لینا جائز نہیں ہوتا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی مذکورہ عبارت میں جو چیز دو اور دو چار کی طرح واضح اور قطعی ہے وہ یہ کہ حدود حرم میں جس کے پاس اپنی ضرورت اور حاجت سے زائد مکان ہو وہ اس میں کسی حاجت مند کو ٹھہرا کر اس کے عوض کرایہ وصول نہیں کر سکتا یعنی اس کیلئے ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں ہوتا بلکہ اس پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ دوسرے حاجت مند کو بلا معاوضہ رہائش کے لئے دے دے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد رشید شیخ الاسلام علامہ ابن القیمؒ نے مسئلہ زیر بحث کے متعلق اپنی مشہور کتاب زاد المعاد میں جو لکھا ہے وہ قدرے مفصل ہے اور کافی مدلل بھی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریر پر اردو میں تبصرہ پیش کر دیا جائے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن القیمؒ کی مذکورہ عبارت سے جو زاد المعاد میں ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے متعلق اپنے شیخ علامہ ابن تیمیہ اور جمہور ائمہ کی طرح انکا بھی یہی موقف ہے کہ مکہ مکرمہ صلح کے ذریعے نہیں بلکہ عنوۃً طاقت کے ذریعے بزور شمشیر فتح ہوا، بلاشبہ دلائل کے لحاظ سے یہ موقف زیادہ قوی اور صحیح موقف ہے۔

دوسری بات جو اس عبارت سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ مکہ مکرمہ اپنی مخصوص دینی شان اور منفرد روحانی حیثیت کی وجہ سے ان شرعی احکام سے مستثنیٰ ٹھہرایا گیا جو دوسرے مفتوحہ شہروں اور علاقوں سے متعلق ہیں یعنی طاقت کے ذریعے بزور شمشیر فتح کئے ہوئے شہروں اور علاقوں کے متعلق شریعت کا یہ جو قاعدہ ہے کہ امام وامیر غیر منقولہ اموال مثلاً مکانات، اراضی اور باغات کو چاہے تو دوسرے اموال

غنیمت کی طرح فاتحین، غازیوں کے درمیان تقسیم بھی کر سکتا ہے اور چاہے تو مفتوحین کے قبضہ میں برقرار رکھتے ہوئے ان پر بیت المال کے لئے خراج مقرر کر سکتا ہے ان دو صورتوں میں سے جو اجتماعی مصلحت اور مفاد کیلئے بہتر ہو اس کو اختیار کر سکتا ہے لیکن چونکہ مکہ معظمہ کی زمین جو سرزمین حرم کا ایک حصہ ہے، قرآن وحدیث کی متعدد نصوص کے مطابق کسی خاص انسان کی ملکیت نہیں بلکہ عبادت حج وعمرہ کیلئے آنے والے تمام مسلمانوں کے استفادہ کیلئے مباح عام کی حیثیت رکھتی ہے اس کے اندر جو شخص دوسروں سے سبقت کر کے جس جگہ ڈیرہ ڈال دے یا مکان بنالے اس جگہ سے فائدہ اٹھانے کے حق میں اس کو دوسروں پر ترجیح حاصل ہو جاتی ہے لیکن وہ اس جگہ کا مالک نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ فتح کے بعد نہ اس کو فاتح سپاہیوں کے درمیان تقسیم کیا گیا اور نہ اس کے بدلے ان پر خراج عائد کیا گیا۔

تیسری بات جو عبارت مذکورہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ مکہ مکرمہ اور زمین حرم میں بنائے گئے مکانات کی عمارت کا تو بنانے والا مالک قرار پاتا ہے چنانچہ اوپر کے حصہ کی بیع وشرا بھی کر سکتا ہے۔ ہبہ کے طور پر کسی کو دے بھی سکتا ہے اور موت کے بعد اسکے ورثاء کی طرف منتقل بھی ہو سکتا ہے لیکن جس زمین پر عمارت بنائی گئی اس کا وہ مالک نہیں ہوتا لہذا اس کی خرید وفروخت وغیرہ نہیں کر سکتا نیز متعدد دلائل کی بناء پر علامہ ابن قیم کا نہایت واضح اور قطعی موقف ہے کہ بیوت مکہ کا کرایہ پر لینا دینا جائز نہیں جیسا کہ ان کے شیخ امام ابن تیمیہ کا موقف ہے اور جس کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ وہ کتاب وسنت کے عین مطابق ہے۔ عبارت مذکور میں علامہ ابن قیم نے ان اہل علم کے دلائل کی تردید کی ہے جو بیوت مکہ کے کرائے کو جائز سمجھتے اور کہتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ مجوزین کے دلائل نہایت کمزور اور ناقابل اعتبار ہیں۔

لیکن بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ سعودی عربیہ کے حنبلی علماء کرام جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام ابن قیم سے شدید تعلق اور عقیدت کے دعویدار ہونے کے باوجود مکانات مکہ کے مسئلہ میں ان کے موقف کو نہیں مانتے اور علی الاعلان اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں بلکہ اس پر کسی تحدید کے بھی قائل نہیں ہیں یعنی مالک مکان دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جتنا چاہے کرایہ مقرر کر سکتا ہے اس پر کوئی پابندی لگانا جائز نہیں چند سال پہلے اسی طرح کا ایک فتویٰ سعودی دارالافتاء کی طرف سے صادر ہو چکا ہے۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں تک مکہ مکرمہ میں واقع رہائشی ہوٹلوں وغیرہ کا تعلق ہے وہ اپنے ہاں ٹھہرنے والوں سے مختلف خدمات اور مراعات جیسے بجلی، پانی، صفائی وغیرہ کا معاوضہ لے سکتے ہیں جس طرح رباطوں میں ٹھہرنے والوں سے رباطوں کے ضروری واجبات اور

منتظمین کی خدمات کے عوض کچھ مال لیا جاتا ہے جسکو کرایہ نہیں کہا جاتا ہے مطلب یہ کہ مالک مکان اگر کسی مسافر کو اپنے ہاں ٹھہرا کر بجلی پانی وغیرہ یا محافظ ملازمین کی خدمات کے بدلے ضروری معاوضہ وصول کرتا ہے تو مکہ مکرمہ میں بھی اس کا جواز ہے محض مکان میں رہائش کے بدلے کچھ لینے کا جواز نہیں کیونکہ وہ مکان کا کرایہ ہوتا ہے جس کی ممانعت ہے۔

....

علامہ سعیدی اور تبیان القرآن

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

شیخ الحدیث والتفسیر، صاحب تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۴ نومبر ۱۹۳۷ء کو مردم خیز سرزمین دہلی (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اپنی والدہ ماجدہ سے پڑھا۔ ناظرہ قرآن کی تکمیل کے وقت ان کی عمر چھ سال تھی۔ جس وقت یہ معصوم بچہ اپنی ماں کی آغوش میں قرآن مجید پڑھ رہا تھا کسے خبر تھی کہ آگے چل کر یہ بچہ مفسر قرآن بنے گا۔ نہ صرف مفسر بلکہ محدث بھی۔ نہ صرف محدث بلکہ فقیہ بھی۔ علامہ سعیدی بلاشبہ ان تینوں صفات کے جامع ہیں۔ اور اس حیثیت سے ملت اسلامیہ کا عظیم اثاثہ بھی، اس شان کا کوئی دوسرا عالم دور دور تک نظر نہیں آتا۔

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

علامہ سعیدی نے دس سال کی عمر میں پرائمری پاس کی۔ یہ ۱۹۴۷ء کی بات ہے۔ اسی اثناء میں پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ آپ کے خاندان نے ہجرت کا عمل اختیار کیا اور دہلی چھوڑ کر کراچی آبسا۔ یہ وقت علامہ سعیدی کے لیے سخت نامساعد تھا۔ دس گیارہ سال کے بچے کو مختلف معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ معاشی مسائل نے سلسلہ تعلیم موقوف کروا دیا۔ آٹھ سال تک آپ مختلف پریسوں میں کام کرتے رہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ نے مولانا محمد عمر اچھروی کی تقریر سے متاثر ہو کر، سلسلہ تعلیم دوبارہ شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے جامعہ محمدیہ رضویہ (رحیم یار خان) میں داخلے کا فیصلہ کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ سراج العلوم (خانپور) چلے گئے۔ بعد ازاں مفتی محمد حسین نعیمی کے ہاں

جامعہ نعیمیہ (لاہور) پہنچے اور سند فراغت حاصل کی۔ پھر علامہ عطا محمد بندیالوی کے ہاں بندیال شریف، ضلع خوشاب گئے، وہاں سے بھی فراغت حاصل کی اور آخر میں جامعہ قادریہ (فیصل آباد) پہنچے، جہاں مولانا ولی النبی سے اقلیدس اور تصریح پڑھیں۔

تحصیل علوم کے بعد عمر ۲۹ سال آپ جامعہ نعیمیہ (لاہور) میں مدرس مقرر ہوئے۔ یہاں سے آپ کے درس کی شہرت دور دور تک پھیلی۔ ۱۹۷۸ء میں مفتی اہلسنت، مفتی سید شجاعت علی قادری آپ کو باصرار دارالعلوم نعیمیہ کراچی لے آئے۔ مگر یہاں ایک سال ہی گزرا تھا کہ مفتی محمد حسین نعیمی آپ کو دوبارہ جامعہ نعیمیہ (لاہور) لے گئے۔ جہاں ۸۵ء تک آپ تدریس و تحقیق میں سرگرم عمل رہے۔ اسی سال مفتی شجاعت علی قادری آپ کو دوبارہ کراچی لے آئے۔ جہاں آپ کو "شیخ الحدیث" کے منصب پر فائز کیا گیا اور تادم تحریر آپ اسی منصب پر فائز ہیں۔ آپ نے یہ منصب اس شان سے نبھایا کہ بایدوشاید۔۔۔ آپ جامعہ نعیمیہ کی حد تک ہی شیخ الحدیث نہ رہے بلکہ مسلم شریف کی مبسوط شرح لکھ کر آپ نے دنیائے علم سے شیخ الحدیث ہونے کا خراج وصولا۔ آپ کی شرح کی نہ صرف پاکستان، بلکہ ہندوستان، امریکہ، افریقہ، اور یورپ کے دور دراز علاقوں تک یکساں دھوم ہے۔ گو علامہ سعیدی نے شرح صحیح مسلم ۱۹۸۰ء میں لکھنی شروع کی تھی لیکن جلد اول مکمل کرنے کے بعد ایسے بیمار ہوئے کہ چار سال تک سوائے تدریس کے کچھ نہ کر سکے۔ مارچ ۸۶ء میں شرح کا کام دوبارہ شروع کیا اور جنوری ۱۹۹۳ء تک اس کی سات جلدیں مکمل فرمائیں۔

آپ کے متعلقین اور احباء کا ایک وسیع حلقہ تقریباً پوری دنیا میں قائم ہے اور ان سب کی شدید خواہش رہتی ہے کہ آپ کچھ وقت ان کیلئے بھی نکالیں۔ مگر آپ علمی و تحقیقی سرگرمیوں میں اشتغال کے باعث ہر جگہ تو نہیں جا سکے تاہم دو مرتبہ برطانیہ ضرور تشریف لے گئے۔ پہلی بار ۱۹۹۰ء میں اور دوسری بار ۱۹۹۳ء میں ان دوروں میں آپ نے برطانیہ کے مختلف شہروں میں اہم موضوعات پر خصوصی لیکچرز دیئے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان دوروں میں آپ نے شرح صحیح مسلم کا کام بھی جاری رکھا اس امر کا تذکرہ آپ کی شرح میں ملتا ہے۔

عالم اسلام کے معروف عالم دین، مبلغ اسلام، قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے قدردانوں بلکہ مداحوں میں شامل تھے۔ انہوں نے آپ کی علوم دینیہ میں مہارت کے پیش نظر آپ کو اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن بنوایا۔ اور بقول سعیدی صاحب کے بڑے عرصے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ آپ ہی کی سفارش سے انہیں یہ منصب ملا تھا۔ (تبیان القرآن جلد ۱۰،